**9: مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ اعراب لگا کر واضح کیجیے۔**

**جواب:** ○ دِیدَ وادِیدَ ○ غَنِیمَتْ ○ وَاقِفُ ○ عِوَض ○ دلِ عَالَم ○ حَوْل و قُوتْ ○ صُبْح

**10: خواجہ میر درد کی پہلی غزل کے مطلع کی تشریح کیجیے۔**

شعر: کام مُردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

**جواب:** دیکھیے خواجہ میر درد کی پہلی غزل کے شعر نمبر 1 کی تشریح۔

**11: خواجہ میر درد کی غزلوں کے مندرجہ ذیل شعروں کی تشریح کیجیے۔**

**جواب:** دیکھیے پہلی غزل کا شعر نمبر 4 اور دوسری غزل کا شعر نمبر 1-2۔

**☆ غزل کے پہلے شعر کو (جس کے دونوں مصرعے ہم ردیف، ہم قافیہ یا کم از کم ہم قافیہ ہوتے ہیں) مطلع کہتے ہیں اور کسی غزل قصیدے یا پابند نظم کے اس آخری شعر کو جس میں شاعر بالعموم اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہتے ہیں خواجہ میر درد کی پہلی اور دوسری غزل میں مطلع کی نشاندہی کریں۔**

**جواب:** پہلی غزل کا مطلع:

شعر: کام مردوں کے جو ہیں، سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

دوسری غزل کا مطلع:

شعر: کیا فرق داغ و گل میں اگر جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

**☆ آپ اس سے پہلے ردیف اور قافیہ کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ بتایئے میر درد کی پہلی اور دوسری غزل میں ردیف کیا کیا ہے اور قوافی کون کون سے استعمال ہوئے ہیں۔**

**جواب:** پہلی غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''جاتے ہیں''

دوسری غزل میں ردیف ہے۔۔۔ ''نہ ہو''

پہلی غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ کر، گزر، مر، نظر، اتر، جدھر، کدھر، اثر

دوسری غزل میں قوافی ہیں۔۔۔ بو، تو، کھو، آرزو، گفتگو، رفو، رو

☆☆☆

## غلام ہمدانی مصحفی —— (1751ء-1824ء)

**شاعر کا تعارف:** امروہہ کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہونے والے مصحفی پہلے دلی اور پھر دلّی سے لکھنؤ منتقل ہوئے۔ لکھنؤ میں دلّی کے ایک شہزادے مرزا سلیمان شکوہ کی سرپرستی میں آنے پر ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی

بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ ان کی استادی کو تسلیم کیا گیا۔ البتہ سیّد انشا اللہ خاں انشا سے معاصرانہ چشمک نے بڑے ہنگامے برپا کیے۔ مصحفی باکمال اور پُرگو شاعر تھے۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے لب و لہجے میں بڑی نرمی ہے۔ ان کے ہاں داخلیت اور خارجیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ جمالیاتی کیفیات 'معاملہ بندی' غم عشق اور شاعرانہ کمالات میں انسانی نفسیات کا گہرا اور مفید مطالعہ ملتا ہے۔

## 1۔ غزل ـــــ غلام ہمدانی مصحفی

شعر 1: دُنیا میں جب تلک کہ میں اندوہ گیں رہا
غم دِل سے اور دِل سے مرے غم، قریں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **تلک:** تک ○ **اندوہ گیں:** غم ناک رنجیدہ، پریشان ○ **قریں:** قریب، پاس، ملا ہوا، ملحق

**مفہوم:** دنیا میں جب تک انسان غمناک رہتا ہے۔ اُس کا دِل غم کے قریب اور غم دِل کے قریب رہتا ہے۔

**تشریح:** مصحفی زندگی کی ایک ایسی حقیقت کا ذکر کرتے ہیں جو آدمی کو انسان بناتی ہے یہ حقیقت ہے غم۔ دنیا میں جس آدمی کو غم سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے وہ انسانیت سے زیادہ سرفراز ہوتا ہے، جو آدمی غم یا دُکھ اور تکلیف سے دوچار نہ ہو تو وہ فرعون نمرود اور شداد بن بیٹھتا ہے۔ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی خلاف ورزی بلکہ اُن سے دشمنی کرتے نظر آتے ہیں۔ مادہ پرست اور روحانیت سے بالکل تہی دست ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غم سے دُوری روحانیت سے دُوری پیدا کرتی ہے، روحانیت سے دُوری، تاریکی میں گرا دیتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اپنے والد شیخ نور محمد کے نام ایک خط میں اپنے مرشد مولانا روم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''میں چراغ لے کے تمام شہر میں پھرا کہ کوئی انسان نظر آئے، مگر نظر نہ آیا۔'' اور موجودہ زمانہ تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ اسی واسطے اخلاص، محبت، مروّت و یک جہتی کا نام و نشان نہیں رہا۔ آدمی، آدمی کا خون پینے والا اور قوم، قوم کی دشمن ہے۔۔۔ بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدی عطا ہوئے بغیر اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔'' ظاہر کی عیش و عشرت اور دُنیاداری میں ڈوبا ہوا آدمی، غم سے ناآشنا ہوتا ہے۔ غم سے شناسائی ہو جائے تو انسانیت سے روشناسی حاصل ہوتی ہے۔ گویا غم مدرکِ حقائق ہے اور مصحفی کو اِس بات پر ناز ہے کہ اُسے غم سے واسطہ رہا، غم اُس کے دِل کے قریب اور دِل غم کے قریب رہا۔ اس مطلع میں مصحفی کی آخری عمر میں پیش آنے والی تنگدستی، عسرت اور ناداری کی وجہ سے غموں سے واسطہ پڑنے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ غزل کے اس مطلع میں مصحفی نے انسانی زندگی میں غم کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ دِل غم سے زندہ ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ غم ہے اِک نعمتِ خداوندی
جتنا بر تو اسی قدر کم ہے

شعر 2: رونے سے کام بس کہ شب اے ہم نشیں رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں ' سرِ آستیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ بس کہ: چونکہ' اس لیے کہ ○ ہم نشیں: ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والا' ہم صحبت' مصاحب' ساتھی ○ سرِ آستیں: قمیص کے بازو کا کونا' لباس کے بازو کی پوشش کا کنارہ

**مفہوم:** اے میرے ساتھی میں ساری رات روتا رہا اور آنسو پونچھنے کے لیے اپنی آستین کا کنارہ آنکھوں پر رکھتا رہا۔

**تشریح:** مصحفی انسانی زندگی میں رونے اور آنسو بہانے کی اہمیت کا اظہار کر رہے ہیں' کہتے ہیں میں ساری رات روتا رہا۔ آنسو پونچھنے کے لیے اپنی قمیص کی آستین کا کونا استعمال کرتا رہا۔ عام حالات میں رونے کے عمل کو پسند نہیں کیا جاتا لیکن عاشق لوگ اس کی اہمیت کو کچھ اور سمجھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر رو رو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی جائے تو دُعا قبول ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں رونے کے عمل کو دل کا غبار نکالنے کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے رونے کو تطہیر یعنی Catharsis کہا جاتا ہے اگر غم کے جذبات انسانی وجود میں پروان چڑھتے رہیں اور اس کی تطہیر نہ ہو تو انسان شدتِ غم سے پاگل ہو جاتا ہے۔ عاشقوں کو رونے سے خاص نسبت رہتی ہے۔ رونے کو عشق میں بیساکھی کی کیفیت سمجھا جاتا ہے۔ آنسو بہتے ہیں تو عشق میں دھوئے جاتے اور پاک ہو جاتے ہیں۔ رونا دراصل عشق میں وضو کرنے کا عمل ہے۔ رونے کے اس عمل کو اگر کسی سے چھپانا مقصود ہو تو آنکھوں پر رومال یا کوئی اور کپڑا رکھ لیا جاتا ہے۔ عاشق کے پاس بازو کا کونا ہے جو رات کے وقت آنسو پونچھنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بقول خواجہ میر درد

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

---

شعر 3: نازک مزاج تھا میں بہت اس چمن کے بیچ
جب تک رہا تو خندۂ گل سے حزیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ خندۂ گل: پھول کی ہنسی' پھول کا کھلنا ○ حزیں: غمگین' رنجیدہ ○ چمن: باغ' مراد دُنیا۔

**مفہوم:** میری نازک مزاجی نے مجھے اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ کھلتے ہوئے پھول کو دیکھ کر بھی میں غمگین ہو جاتا ہوں کیونکہ پھول کا کھلنا دراصل اُس کی تباہی کی علامت ہے۔

**تشریح:** مصحفی اپنی نازک مزاجی کا اظہار یوں کر رہے ہیں کہ میں جب تک اس چمن یعنی دُنیا میں زندہ رہا' پھولوں کو کبھی کھلتے ہوئے نہ دیکھ سکا' کیونکہ پھولوں کے کھلنے سے مجھے پھولوں کے انجام کا خیال آتا رہا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب پھول کھلتا ہے تو اُس کی پتیوں کے بکھرنے کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ یا جلد ہی پھول

مُرجھا جاتا ہے گویا موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے ہر حساس آدمی کسی دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر خود بھی غمگین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہنسنے والے کی ہنسی میں یا قہقہے میں رونے کی صدا آتی ہے قیدِ حیات اور بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں۔ خوشی کے بعد غم ضرور ملتا ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے کہ "اتنا نہ ہنسو کہ دِل مردہ ہو جائے" گویا ہنسی غم کا پیش خیمہ ہے۔ آدمی ہنستا ہے تو موت اس پر ہنستی ہے کہ ہر شخص بہت جلد دنیا سے رخصت ہونے والا ہے لیکن اسے احساس ہی نہیں ہے۔ شاعر نے لفظ خندہ اور حزیں استعمال کر کے صنعتِ تضاد سے معنویت پیدا کی ہے:

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

---

شعر 4: ہمدم جو دیکھتا ہوں تو پہلو میں دِل نہیں
بیٹھا تھا اُس کے پاس، مرا دِل وہیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ ہمدم: رفیق، یار، دوست

**مفہوم:** محبوب کے پاس بیٹھنے والے عاشق کا دِل محبوب ہی کے پاس رہ جاتا ہے۔

**تشریح:** مصحفی اپنے محبوب کی محفل میں جو وقت گزار کر آئے ہیں۔ اُس کی گفتگو، اس کی اداؤں اور اُس کے تصور ہی میں کھوئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کا دِل، اِن کے پاس نہیں رہا، دِل محبوب ہی کی محفل میں رہ گیا، مصحفی اپنے کسی دوست سے ذکر کرتے ہیں کہ مَیں اپنے محبوب کے پاس بیٹھا تھا مَیں نے یہاں آ کر اپنے پہلو کو ٹٹولا ہے تو پہلو میں دِل نہیں ہے۔ میرا دِل اُسی کے پاس رہ گیا ہے۔ عاشق تصور ہی تصور میں اپنے محبوب کی باتوں کو یاد کرتا ہے حتیٰ کہ اُس کے ادا کیے ہوئے جملوں کو دُہراتا رہتا ہے۔ اُس کی اداؤں کی نقل کرتا ہے۔ اُس کے دیکھنے کے انداز کو یاد کرتا ہے۔ اُس کے حُسن کے جلووں سے محظوظ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اِس کی محفل سے اُٹھ کر آ گیا ہے لیکن ذہنی اور روحانی طور پر وہ اُسی کی محفل میں ہے۔ وہ اپنے کسی دوست کی باتوں کا صحیح طور پر جواب نہیں دے پاتا تو کہہ اُٹھتا ہے کہ مَیں اپنے محبوب کی محفل میں گیا تھا۔ میرا دِل اب تک وہیں ہے۔ وہ خوش نصیب حضرات جو حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کر کے آتے ہیں، اپنے گھر واپس آنے کے بعد بھی تصور میں حضور ﷺ کی بارگاہ ہی میں رہتے ہیں۔ خانۂ کعبہ کا خیال آتا ہے تو اس کے مختلف حصوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں روضۂ رسول کے تصور میں روضۂ اطہر کے سامنے حاضری دیتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھتے رہتے ہیں۔ دنیا کے کاموں میں جس قدر بھی اُلجھے رہیں۔ تصور ہی تصور میں وہ حرمین شریفین ہی میں موجود رہتے ہیں۔ ان کا جسم واپس آ جاتا ہے لیکن دل و دماغ وہیں رہ جاتے ہیں یہی حال ایک عام عاشق کا ہے، جس کا مصحفی نے ذکر کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا شعر ہے:

میرے ویرانۂ جاں میں تری یادوں کے طفیل
پھول کھلتے نظر آتے ہیں جہاں تک دیکھوں

---

شعر 5: آخر کو ہو کے لالہ اُگا تو بہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیرِ زمیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ لالہ: پوست کا پھول' جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے ○ خونِ شہیدِ عشق: عشق میں شہید ہونے والے عاشق کا خون ○ زیرِ زمین: زمین کے نیچے

**مفہوم:** آخرکار بہار میں لالہ کا پھول اُگا ہے۔ وہ دراصل کسی شہیدِ عشق کا لہو ہے' جو سرخ رنگ میں نظر آ رہا ہے۔

**تشریح:** مصحفی زیرِ نظر شعر میں حسنِ تعلیل سے کام لے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بہار میں اُگنے والا لالہ کا سرخ پھول دراصل زمین کے اندر دفن ہونے والے کسی شہیدِ عشق کا خون ہے جو آخرکار لالہ بن کے پیدا ہوا ہے' خون زمین کے اندر رُک نہ سکا اور سرخ پھول کی صورت میں زمین سے باہر آ گیا ہے۔ حسنِ تعلیل دراصل کسی ایسی بات کو کہا جاتا ہے' جو حقیقت پر مبنی تو نہیں لیکن اس بات یا وجہ پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بات کرنے والا غمزدہ ہو تو سمجھتا ہے کہ سارا جہاں غمزدہ ہے۔ وہ خوش ہو تو سمجھتا ہے کہ سارا جہان خوش ہے اسی کو حُسنِ تعلیل یا حُسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ شاعر لالہ کے پھول کو شہیدِ عشق کا خون کہتا ہے۔ اگر جوان بیوہ کا باپ یہ بات کہتا تو شاید یہ کہتا کہ اُس کی بیٹی کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ لالہ کا رُوپ دھار کر زمین سے نکل آیا ہے۔

شعر 6: دی جان ایسے ہوش سے اپنی کہ خلق کو
جینے کا میرے تادمِ آخر یقیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ خلق: دنیا ○ تادمِ آخر: آخر وقت تک

**مفہوم:** میری موت مجھے مدہوش نہ کر سکی' میرے ہوش و حواس قائم رہے۔ دُنیا کو آخر وقت تک میرے مرنے کا یقین نہ آیا۔

**تشریح:** شیخ غلام ہمدانی مصحفی' اپنی موت کو دُنیا والوں پر طاری ہونے والی موت کی کیفیت سے مختلف قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرتے وقت بھی میرے ہوش و حواس قائم رہے' مجھے مرتے وقت کوئی گھبراہٹ یا بے چینی نہ ہو سکی۔ یہ کیفیت دراصل ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ سے ملاقات کے متمنی ہوتے ہیں۔ دُنیا اور دُنیاداری سے دِل نہیں لگاتے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق رکھتے ہیں۔ وہ بات جو عام لوگوں پر طاری ہونے والی موت کی کیفیت میں ہوتی ہے' شاعر کی موت میں وہ کیفیت طاری نہ ہوئی' جیسے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ موت آئے گی تو مرنے والے پر بہت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ دِل بے چین اور بیتاب ہوگا۔ منہ کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ آدمی پر جب نزع کا عالم طاری ہوتا ہے تو اس کی حالت دیکھ کر اس کے اردگرد موجود لوگوں کو بھی یقین ہو جاتا ہے کہ بیمار مر رہا ہے۔ وہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا بلند آواز میں ورد شروع کر دیتے ہیں۔ مرنے والا نہایت کرب کے عالم میں موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ شاعر' چونکہ مرتے وقت بہت مطمئن تھا۔ نزع کا عالم اس کا سکون نہ چھین سکا' دیکھنے والوں نے آخر دم تک یہی سمجھا کہ وہ زندہ ہے۔

اُس پر موت طاری نہیں ہوئی، مگر وہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ شاعر کو اپنی شاندار موت پر فخر کا احساس ہو رہا ہے۔ اسے آپ شہادت کی موت کہہ سکتے ہیں۔ ایسی موت کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتا نہ چلے

---

شعر 7: یارانِ گرم رَو تو سب سے آگے نکل گئے
ان سے میں ننگِ قافلہ پیچھے کہیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ یارانِ گرم رو: تیز رفتار ساتھی ○ ننگِ قافلہ: قافلے کی ذلت کا باعث ○ پیچھے کہیں رہا: بہت پیچھے رہ گیا۔

**مفہوم:** میرے تیز رفتار ساتھی آگے نکل گئے ہیں۔ میں قافلے سے بہت پیچھے رہ گیا۔

**تشریح:** کسی قافلے میں شامل تیز رفتار لوگ، پُرجوش، باہمت اور باحوصلہ لوگ کسی جگہ رُکتے نہیں۔ اگر کوئی منزل آ بھی جائے تو اُس منزل پر تازہ دم ہونے کو تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں۔ اس منزل کو بھی وہ راستہ ہی تصور کرتے ہیں۔ وہ قیدِ مقام سے ہمیشہ آگے گزر جاتے ہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ رہگزر میں چلتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ رہ نوردِ شوق ہوتے ہیں۔ منزل کو قبول ہی نہیں کرتے وہ جانتے ہیں کہ چلنا ہی زندگی ہے۔ رکنا تو موت کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے وہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ وہ پاؤں کے آبلوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے کٹھن راستوں، دشوار گزار گاہوں بلکہ خارزاروں کو دیکھ کر اُن کا جی خوش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آسانیوں کی تلاش میں نہیں بلکہ مشکلات سے کھیلنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ مردانہ وار آگے بڑھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ:

اس رہ میں مقام بے محل ہے — پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں — جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں (علامہ اقبالؒ)

شاعر کو قافلے سے پیچھے رہ جانے پر شدید ندامت کا احساس ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قافلے والے مجھے پیچھے اس لیے چھوڑ گئے ہیں کہ میں سست رو ہوں۔ قافلے والے پیچھے رہ جانے والوں کو ساتھ لے جانے کے لیے لوٹ کر نہیں آتے کیونکہ وہ ایسے لوگوں کو قافلے کی ذلت کا باعث سمجھتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے قافلے والے انہیں اپنا ساتھی کہنے کو بھی تیار نہیں ہوتے۔

میر انیس کہتے ہیں:

واماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر کبھی بیٹھے تو اُٹھاتا نہیں کوئی

شاعر کہتا ہے کہ میں اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے قافلے سے بہت پیچھے رہ گیا ہوں قافلے والے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

شعر 8: رکھوں میں روک کیوں کر دل اپنے کو مصحفی
میرے کہے میں اب تو میرا دل نہیں رہا

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ دِل روک رکھنا: دِل کو سنبھالنا' دِل کو اپنے بس میں رکھنا ○ کہے میں رہنا: کہا ماننا' تابع ہونا

**مفہوم:** میرا دِل میرے بس میں نہیں رہا۔ محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔

**تشریح:** مصحفی اس مقطع میں اپنے دِل کے اپنے ہاتھوں سے نکل جانے اور محبوب کا ہو جانے کا ذکر کرتے ہیں کہ مَیں اپنے دِل کو اپنے پاس سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ وہ میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا ہے۔ میرے بس میں نہیں رہا۔ بقول علامہ اقبالؒ

؎ اِس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دِل کسی اور کا دیوانہ میں دیوانہ دل

شاعر کہتا ہے جب سے مجھے عشق ہوا میرا دِل میرے محبوب کا ہو کر رہ گیا' میرے کسی ارادے اور خواہش کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دِل تو عاشق کے سینے میں دھڑک رہا ہوتا ہے لیکن وہ اِس کا اپنا نہیں رہتا۔ محبوب کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسان کو اگر اللہ سے عشق ہو جائے تو عاشق کا دِل خانہ کعبہ بلکہ عرشِ ربِ جلیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے عشق ہو تو عاشق کا دِل مدینہ بلکہ روضۂ اطہر کی جالی بن جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ کا خیال آئے تو عاشق خود کو طواف کرتا' سعی کرتا' آبِ زمزم پیتا' نمازیں ادا کرتا اور نوافل پڑھتا دیکھتا ہے۔ دل محبوب کا کوچہ' محبوب کے گھر کے در و بام یا محبوب کی ذات بن جاتا ہے۔ دِل کا تعلق' عاشق سے زیادہ محبوب سے ہو جاتا ہے۔ اُس کی ہر دھڑکن محبوب سے تعلق کا پتا دیتی ہے۔

؎ واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تیری انجمن میں تھی

## 2۔ غزل ـــــ شیخ غلام ہمدانی مصحفی

شعر 1: نہ گیا کوئی عدم کو دِل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت داماں لے کر

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ عدم: اگلی دُنیا ○ دِل شاداں: خوش و خرم دِل' باغ باغ دِل ○ یاں: یہاں ○ کیا کیا: مراد کیسے کیسے لوگ ○ حسرت: کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس' وہ آرزو جو پوری نہ ہو ○ ارماں: خواہش' آرزو' تمنا